© rasailojaraid.com

ندوی بھی ہو گئے سوئے فردوس رہ نورد

مولانا محمد حنیف ندوی بھی راہگرائے عالمِ بقا ہوگئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

الاعتصام کا یہ وہ ادارتی صفحہ ہے جس پر ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۸ء تک مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ کا رہوارِ قلم محوِ تگ و تاز رہا ہے اور علم و عرفان کے لولوئے لالہ بکھیرتا رہا ہے۔ راقمِ سطور کو حیرت ہے کہ ان کالموں میں مولانا مرحوم پر تعزیتی شذرہ کیسے قلم بند کرے، جب کہ اس آسمانِ علم کی پہنائیوں تک رسائی کا تصوّر بھی محال ہے ؎

نطق ششدر ہے قلم ساکت ہے
محوِ حیرت ہوں کہ کیوں کر لکھوں

بہرحال یہ ایک علمی، صحافتی اور جماعتی فریضہ ہے۔ راقم اپنے علم و خبر کی حد تک ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

مولانا ندوی ایک بلند پایہ عالمِ دین تھے ۔ ایک مشاق غواصِ معانی تھے۔ ایک نکتہ آفریں محقق و مفکّر تھے ۔ ایک معجز نگار مصنف و ادیب اور بلند نظر صاحب قلم تھے، ایک باخبر صحافی تھے۔ ایک خوش آہنگ خطیب، ایک دقیقہ سنج مفسر اور شیوا بیان معلم تھے۔ ان کی کسی ایک جہت کا احاطہ کرنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اُنھوں نے مکتب کی چٹائیوں سے حصولِ علم کا آغاز کیا اور تعلیم و تعلّم کی وادیوں میں ایک سُبک رو مسافر کی طرح سفر کیا۔ پنجاب کے مدارس سے چلے اور ندوۃ العلما لکھنؤ تک پہنچے۔ عربی، فارسی کی ابجد سے آغاز کیا اور انگریزی اور یونانی فلسفیوں کی پُرپیچ گھاٹیوں کی خبر لائے۔ اصول و عقائد کی قدامت کو جدّت کے ساتھ نیک نیتی سے ہم آہنگ کرنے کی مساعی میں مصروف رہے اور تضادات کے باوصف نہ علمائے دین سے محاذ آرائی کی، نہ علومِ جدیدہ کے مفکرین سے پرخاش رکھی۔ اپنی سلامتیٔ طبع اور علمی متانت کے ساتھ ہر مکتبِ فکر کے ساتھ رواداری، اور نرم خوئی کا رویہ قائم رکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم و عرفان کے مقامِ بلند کے باوجود حلم و بردباری بلکہ انکسار و شرافت کو اپنے کردار کا جزوِ اعظم بنائے رکھا۔ زبان میں شیرینی اور گھلاوٹ کے ساتھ ساتھ شگفتگی اور خندہ روئی ان کا طرۂ امتیاز رہا۔

مولانا مرحوم ۱۹۳۰ء میں ندوۃ العلما سے علوم و معارف کے خزانے سمیٹ کر لائے اور لاہور کی مسجد مبارک اہلحدیث (اسلامیہ کالج) میں خطیب مقرر ہوئے۔ خطبۂ جمعہ کے ساتھ ساتھ درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا، جس میں فقط اہلِ حدیث ہی نہیں آتے تھے بلکہ کالجوں، اور یونیورسٹیوں کے نوجوان طالب علم اور زندگی کے دیگر شعبوں سے علم کے جویا جوق درجوق شریک ہوتے۔ ان کے درس میں شریک ہونے والے بیشتر طالب علم بعد میں علم و فضل کی بلندیوں تک پہنچے اور اب تک مولانا کے معتقد اور مداح ہیں۔ وہ اپنے علم و فضل کی بدولت ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور کے ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر متمکن رہے اور تادمِ مرگ اسی عہدے پر فائز تھے۔ ان کی فضیلتِ علم کے اعتراف کے طور پر حکومتِ پاکستان نے ان کو ستارۂ امتیاز کا اعزاز بھی عطا کیا تھا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اس اعزاز کو کبھی اپنا قد کاٹھ بلند کرنے یا سرکاری مراعات حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ وہ اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے نمائندے کی حیثیت سے برسوں اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے رکن رہے اور قرآن و سنّت کی روشنی میں اسلام کے نفاذ کے لیے سفارشات مرتّب کرنے میں ممد و معاون رہے۔

مولانا نے تصنیف و تالیف کے میدان میں نہایت وقیع کام کیا ہے۔ کم و بیش بائیس کتب ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ جن میں مطالعۂ قرآن، مطالعہ حدیث، مسئلہ اجتہاد، عقلیاتِ ابن تیمیہؒ، افکارِ غزالی، سرگزشتِ غزالی، تعلیماتِ غزالی، افکار ابن خلدون خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ علامہ اشعری کی کتاب "مقالات الاسلامیین" کا اردو ترجمہ (دو جلد) اور تہافتۃ الفلاسفہ کا ترجمہ اور تلخیص بھی آپ کا علمی کارنامہ ہے۔ لسان القرآن کے نام سے وہ ایک لغت بھی تالیف فرما رہے تھے، جو دو جلدوں میں حرف "د" تک اشاعت پذیر ہو چکی ہے۔ یہ تمام کتب ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کی طرف سے شائع کی گئی ہیں۔ انھوں نے "سراج البیان" کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی تھی جو چودہ پندرہ مرتبہ شائع ہو چکی ہے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ بطور صحافی کے مولانا نے صرف الاعتصام ہی کی ادارت نہیں فرمائی بلکہ ماہنامہ "اسلامی زندگی" بھی آپ کی ادارت میں ایک عرصے تک شائع ہوتا رہا ہے۔ آپ کے اداریے نہایت فکر انگیز، شگفتہ اور ابلاغ کا نہایت عمدہ نمونہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے تھے۔ آپ کی تحریریں حالیؔ کی متانت اور افادیت، ابوالکلام کی مرصع نگاری اور الفاظ و معانی کی گل کاری اور غزالی کے منطقی انداز کا اہتمام ہوتا تھا۔ متذکرہ کتابوں کے علاوہ مولانا کے بے شمار مضامین مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں جن کی اگر جمع و ترتیب کی جائے تو لولوا قیمتی و جواہر کا ایک بیش بہا خزانہ جمع ہو سکتا ہے۔ خدا کرے کہ ان کا کوئی فرزندِ گرامی یا ان کے معتقدین میں سے کوئی صاحبِ ہمّت اس کام کا بیڑا اٹھائے۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ مولانا جماعتی اور تنظیمی اُمور میں بھی خاصے سرگرم رہ چکے ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں جب قیامِ پاکستان کے بعد مولانا محمد داؤد غزنوی علیہ الرحمہ کی سربراہی میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کا قیام عمل میں آیا تو مولانا ندوی ان کے فعال اور بانی رفقا میں سے تھے۔ وہ نہ صرف جمعیت کی اولین مجلسِ شوریٰ کے اساطینِ نخستین میں شامل تھے بلکہ مولانا غزنوی کے معتمدِ خاص بھی شمار ہوتے تھے۔ جمعیت کا مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ (درجۂ تخصص) جب لاہور میں قائم کیا گیا تو مولانا اس کے بانی اراکین و اساتذہ میں بھی شامل تھے۔ جب کہ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ مقرر ہوئے۔

مولانا ندوی کو مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ سے خصوصی قلبی لگاؤ تھا۔ مرکزی جمعیت کے سربرآوردہ ارکان کی حیثیت سے تو ان کی ملاقاتیں ہوتی ہی تھیں مگر اس کے علاوہ خصوصی مجالس میں بھی اکثر مل بیٹھتے تھے اور علم و عرفان کا ایک سماں پیدا ہو جاتا تھا۔ شہری جمعیت کی محافل پر بھی ان میں اکثر ہم خیالی اور ہم آہنگی ان کے قرب و قران کا دلکش منظر ہوتا تھا۔ لاہور میں ہی نہیں بلکہ ملک بھر میں مولانا داؤد غزنوی رح اور مولانا محمد اسماعیل سلفی علیہم الرحمہ کے بعد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف اور مولانا محمد حنیف ندوی ہی کی شخصیتیں تھیں جن کو علم و فضل اور نظم و انصرام جمعیت کے نقطۂ نگاہ سے اہلِ حدیث حلقوں میں سربرآوردہ شخصیتیں شمار کیا جاتا تھا۔ سرکاری حلقے اور دوسرے مکاتبِ فکر بھی انہی کو سلفیت کے نمائندہ تصوّر کرتے تھے۔ عمر کے اعتبار سے بھی یہ دونوں بزرگ تقریباً برابر تھے اور غالباً بیماری بھی قریب قریب ہی لاحق ہوئی۔ اگرچہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہٗ کی بیماری کا پانچواں سال جا رہا ہے اور اب وہ مکمل طور پر صاحبِ فراش ہیں۔ لیکن مولانا ندوی کی بیماری کا زمانہ اگرچہ بظاہر ڈھائی سال پیشتر شمار کیا جاتا ہے، مگر وہ بعض عوارض میں بہر حال پہلے بھی علیل رہتے تھے۔ مگر اپنی علالت کے باوصف اکثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکتبہ سلفیہ تشریف لاتے اور مولانا کی عیادت فرماتے۔ جب سے مولانا مدظلہٗ زیادہ بیمار ہوئے ہیں، مولانا ندوی بڑی فکرمندی سے بیمار پرسی کو آتے اور دیر تک دعائیں فرمایا کرتے۔ یہاں تک کہ گزشتہ سال بھی تشریف لاتے رہے حالانکہ وہ خود زیادہ چلنے پھرنے سے خاصے معذور ہو گئے تھے۔ یہ ان کی دردمندی، دوست نوازی اور وضعداری کا بین ثبوت ہے۔ الاعتصام کی نشاۃِ ثانیہ کے دوران مولانا ندوی کی ہمدردی بلکہ سرپرستی ادارے کے شامل حال رہی۔ ادارہ دارالدعوۃ السلفیہ کے قیام پر مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ نے مولانا ندوی کو اس کے بانی اراکین میں شامل کیا اور جب بھی مولانا ندوی ادارے کے اجلاس میں موجود ہوتے تو اجلاس کی صدارت انہی کے سپرد کی جاتی۔

مولانا ندوی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ گفتگو میں عالمانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ ساتھ شگفتگی ان کی باغ و بہار شخصیت کا مظہر تھی۔ وضع و ہیئت میں لکھنویت کو آخر دم تک قائم رکھا۔ لباس کی نفاست و نظافت، صفائی، ستھرائی اور زیبائی ان کی شخصیت کا ایک لازمہ تھی۔ راقم سطور کو مولانا کی شخصیت میں مولانا حالی کی تصویر دکھائی دیتی اور ان کو مل کر دل کو بڑا سکون و سرور حاصل ہوتا ؎

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

راقم نے اُن سے ایک ملاقات کے دوران کہا، کہ مولانا آپ کو دیکھ کر مجھے اقبال کا یہ شعر شدت سے یاد آتا ہے ؎

اُٹھ گئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا
یادگارِ بزمِ دلی ایک حالی رہ گیا

سُن کر فرمانے لگے آپ کے حُسنِ ظن کا شکریہ، مگر یہاں اور بھی لوگ اس قسم کے موجود ہیں۔ یہ ان کے فطری عجز و انکسار اور تواضع کی دلیل تھی۔

علامہ اقبال نے مولانا حالی کی وفات پر جو رثائی نظم لکھی تھی اس کا آخری شعر تھا ؎

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہلِ گلستان
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد

اور ہم بھی ابو کے آخری مصرعے میں ادنیٰ سے تصرف کے ساتھ اسے دہرانا چاہتے ہیں ع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ندوی بھی ہو گئے سوئے فردوس رہ نورد

اس نظم کو علامہ مرحوم نے حافظ کے جس شعر پر تضمین کیا تھا وہی مولانا ندوی پر منطبق ہوتا ہے ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید صبا چہ کرد

اللہ تعالیٰ سے آخر میں دعا ہے کہ مولانا ندوی صاحب کی بشری لغزشوں سے درگزر کرتے ہوئے ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں درجاتِ بلند سے نوازے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ۔!!

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ ۲۴ر جولائی ۱۹۸۷ء)

© rasailojaraid.com